پریشر ککر: ایک سوانحی ناول

مسز صائمہ علی

اسسٹنٹ پروفیسر اُردو، ایجوکیشن یونیورسٹی، بنک روڈ کیمپس، لاہور

PRESSURE COOKER

AN ANALYTICAL STUDY OF THE NOVEL

Mrs. Saima Ali

Assistant Professor of Urdu

University of Education, Bank Road Campus, Lahore

Abstract

The present study discusses the autobiographical nature of Siddique Salik's Urdu novel Pressure Cooker. The biographical novel is a written account of author's or another person's life. Pressure Cooker has been treated as a figment of fiction. The central character of the novel is inspired by the life of the famous painter Ghulam Rasool of Islamabad. Additionally, there are shades of Salik's own life in the novel. Neither Siddique Salik nor any of his critics has pointed out this reality in written form so far. Both persons are critically compared and evaluated in this article.

Keywords: امراؤ جان ادا، سوانحی ناول، آپ بیتی، غلام رسول، صدیق سالک، نذیر احمد
فطرت، آمریت، پریشر ککر، مصوری

سوانحی ناول وہ ہوتا ہے جس میں کسی حقیقی کردار کی زندگی کے واقعات بیان کیے گئے ہوں۔ وہ مصنف کی اپنی زندگی بھی ہوسکتی ہے اور کسی دوسرے شخص کی بھی۔ عام طور پر سوانحی ناول سے مراد مصنف کی ذاتی زندگی کا بیان لیا جاتا ہے اور سوانح جمع ہے سانحہ کی۔

اُردو میں سوانحی ناول کا آغاز ناول کے ابتدائی زمانے میں ہی مل جاتا ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد کے ناول ''ابن الوقت'' (۱۸۸۸ء) کو سرسید کی شخصیت کا چربہ کہا گیا لیکن نذیر احمد کو سرسید سے جو عقیدت تھی اس کے پیش نظر یہ الزام درست معلوم نہیں ہوتا۔(۱) اس کے ساتھ اس کردار میں بعض ایسی خصوصیات ہیں جو خود نذیر احمد سے متعلق ہیں جن کے باعث یہ اصل سرسید سے مختلف ہو جاتا ہے۔(۲) ان نکات سے اس ناول کے سوانحی رجحان کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

اُردو کے معروف ناول 'امراؤ جان ادا' میں کہانی کی پیش کش اس انداز میں کی گئی ہے کہ امراؤ مصنف کو اپنی زندگی کے واقعات سناتی ہے۔ رُسوا نے ناول اس فنی مہارت کے ساتھ پیش کیا ہے کہ امراؤ پر حقیقی کردار کا گمان ہوتا ہے۔ چناں چہ بعض نقاد اُمراؤ کو بھی ایک حقیقی کردار قرار دیتے ہیں۔(۳)

سوانحی ناول اگر مصنف کی اپنی زندگی کے متعلق ہوتو ایک صورت حال یہ پیش آتی ہے کہ اس کی حدیں آپ بیتی سے مل جاتی ہیں لیکن اس صورت میں بھی ضروری ہے کہ ناول میں حقیقی کرداروں کے فرضی نام ہوں جس طرح ممتاز مفتی کے ناول ''علی پور کا ایلی'' کے آخر میں انھوں نے طویل فہرست شامل کی ہے جس میں تمام کرداروں اور مقامات کے اصل نام اور شناخت ظاہر کی گئی ہے۔(۴) بعض صورتوں میں یہ صورت حال پیچیدگی پیدا کرتی ہے مثلاً قرۃ العین حیدر کے ''کارِ جہاں دراز'' اور ممتاز مفتی کی ''الکھ نگری'' کو عموماً ناول کے زمرے میں رکھا جاتا ہے لیکن ڈاکٹر ممتاز احمد خان (۵) اور ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا (۶) نے بالترتیب انھیں آپ بیتی قرار دیا ہے۔ ممتاز مفتی خود بھی ''الکھ نگری'' کو آپ بیتی گردانتے ہیں۔ ڈاکٹر احسن فاروقی کا ناول ''دل کے آئینے میں'' اور اوپندر ناتھ اشک کا ناول ''گرتی دیواریں'' بھی سوانحی رجحان کے حامل ہیں۔

اس پس منظر میں صدیق سالک کے ناول ''پریشر ککر'' کا جائزہ لیں تو اندازہ ہوتا ہے سالک نے اس فن کو خوب صورتی سے برتا ہے۔ناول کا مرکزی کردار ''فطرت'' اسلام آباد کے مصور ''غلام رسول'' کی زندگی سے متاثر ہے۔لیکن صدیق سالک نے کہیں بھی تحریری طور پر اس کا اظہار نہیں کیا نہ ہی کسی نقاد نے اس کے متعلق کچھ لکھا۔راقمہ نے بذریعہ خط غلام رسول سے اس بارے میں دریافت کیا جس کے جواب میں وہ لکھتے ہیں:

> ''فطرت کا کردار میرا ہے۔ لائل پور میں رہنا وہاں سے لاہور جانا لاہور سے شکاگو جانا سب میری طرف توجہ دلاتے ہیں پھر اسلام آباد میں ڈائریکٹر فنون بصری، ادارہ ثقافت پاکستان میں کام کرنا تو یقیناً میرا کردار تھا۔اس ادارے کا ایک ہی ڈائریکٹر فنون بصری تھا اور وہ میں تھا۔نہ مجھ سے پہلے اور نہ بعد بھی ابھی تک وہاں کوئی متعین کیا گیا۔ اس لحاظ سے یہ یقیناً میرا کردار ہے پھر ادارہ کے ڈی-جی اور دوسرے کردار جو میرے خلاف تھے کیوں کہ Inquiry ہوئی تھی جس میں واضح طور پر بتایا گیا کہ غلام رسول اپنے کام میں ماہر اور irreplacable آدمی ہے۔ دوسرے اس کی پیشہ وارانہ صلاحیتوں کا مقابلہ نہ کرتے ہوئے اس سے خوف زدہ رہتے ہیں۔''(۷)

غلام رسول اور صدیق سالک کی سوانحی مماثلت کے تقابل اور ''پریشر ککر'' کی علامت سے اندازہ ہوتا ہے کہ سوانحی ناول کی تاریخ میں یہ ناول اس لحاظ سے منفرد ہے کہ یہاں غلام رسول کا کردار صدیق سالک نے خود کو کیموفلاج کرنے کے لیے استعمال کیا ہے چوں کہ وہ اس وقت کے صدر مملکت اور بری افواج کے سربراہ کے پریس سیکرٹری تھے اور ملازمت کے تقاضوں کی وجہ سے براہ راست حکومت کے خلاف نہیں لکھ سکتے تھے کیوں کہ کتاب شائع کرنے سے پہلے حکومت سے اجازت لینی پڑتی ہے۔اگر ناول میں وہ اپنے کردار کو فرضی نام سے بھی ظاہر کرتے تو یہ بات حاکم کی ناراضی کا سبب بن سکتی تھی چناں چہ انہوں نے ناول کا پس منظر ایک مختلف شعبے مصوری سے لیا اور ایک حقیقی کردار کے

گردناول کا تانابانا بُنا لیکن ''پریشر ککر'' کی علامت خود صدیق سالک کی زندگی کے بیان کے لیے زیادہ موزوں ہے۔ وہ ملازمتی مجبوری کی وجہ سے صدر مملکت سے وابستہ تھے لیکن ان کی آمریت اور غیر جمہوری اقدامات کو دل سے پسند نہیں کرتے تھے خصوصاً جب ۲۹ مئی ۱۹۸۸ء کو انھوں نے وزیراعظم محمد خان جونیجو کی حکومت کو برطرف کیا تو صدیق سالک کی اضطرابی کیفیت کے بارے میں الطاف حسین قریشی لکھتے ہیں:

''۲۹ مئی کے واقعے نے صدیق سالک پر بہت منفی اثر ڈالا تھا۔ ۳۱ مئی کو اپنی ذہنی کیفیت کا حال بیان کرتے ہوئے انھوں نے مجھ سے کہا ساری محنت اکارت چلی گئی۔ امید کی وہ ننھی سی کرن جو سویلین حکومت کے قیام سے ابھری تھی اندھیروں میں ڈوب گئی ہے۔ جنرل ضیاء الحق نے مجھے اس اقدام کی حمایت میں تقریر لکھنے کے لیے کہا تو میں نے صاف کہہ دیا کہ مجھ سے یہ نہیں ہو سکے گا۔ انھوں نے مجھے حوصلہ دیتے ہوئے کہا اچھا جاؤ کچھ دیر تازہ ہوا کھاؤ ممکن ہے ذہن کا بوجھ ہلکا ہو جائے۔ میرا ذہن بغاوت پر آمادہ تھا کوشش کے باوجود میں کوئی جواز تلاش نہ کر سکا۔ الطاف بھائی! آپ نے گیارہ برس پہلے کہا تھا کہ ساتھ لگے رہو شاید کسی موقع پر قوم کی خدمت کر سکو۔ مگر مجھے تو ہر اہم اور نازک موڑ پر مشورے میں شامل نہیں کیا گیا۔ میری حیثیت ہی کیا ہے، صدر کے پریس سیکرٹری کی حیثیت ہی کیا ہوتی ہے؟''(۸)

اقتباس کی آخری سطر سے اندازہ ہوتا ہے کہ صدیق سالک آمریت سے وابستگی کے سلسلے میں بے بس اور مجبور تھے اور یہ بے بسی مسلسل گیارہ سال لاوے کی طرح ان کے اندر پکتی رہی۔ اس لحاظ سے پریشر ککر کی علامت غلام رسول کے بجائے خود ان کی زندگی سے قریب ہے۔ ناول میں پریشر ککر ایک علامت کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ پریشر ککر علامت ہے اس بے بس انسان کی جو اپنے اوپر ہونے والے ظلم، بے انصافی اور ذہنی کرب کو چپ چاپ سہتا ہے اور احتجاج کی بھی استطاعت نہیں رکھتا۔

اس علامت کو واضح کرتے ہوئے سالک بقول فطرت لکھتے ہیں:

''میں محسوس کرنے لگا ہوں کہ میں ایک ایسی چمنی میں بدل گیا ہوں جو نہ آٹا پیسنے والی چکی کی طرح پھک پھک کر سکتی ہے اور نہ بھٹے کی چمنی کی طرح دھواں باہر پھینک سکتی ہے۔ بس ہر شے اندر ہی اندر، ہر غم اندر، ہر اندوہ اندر سہتے رہو، سلگتے رہو مگر بولو مت، کہو مت''۔(۹)

پریشر ککر میں سخت چیز اندر کے دباؤ سے گل جاتی ہے۔ یہی حال فطرت کا ہے کہ معاشرے کے دباؤ اور گھٹن نے اسے اندر ہی اندر گلنے پر مجبور کر دیا۔ اصل پریشر ککر میں اندر کی بھاپ باہر نکالنے کا راستہ ہوتا ہے جب کہ فطرت کے پاس اپنے کرب کے اخراج کا بھی کوئی راستہ نہیں تھا۔ افسران بالا کے سامنے وہ بول نہیں سکتا تھا، بیوی کے پاس اس کی باتیں سمجھنے کا دماغ ہی نہیں تھا، دنیا والوں کی زبانیں وہ پکڑ نہیں سکتا تھا۔ نتیجتاً وہ اندر ہی اندر کھولتا رہا، پکتا رہا اور پریشر ککر میں ہوا کی سیٹی نہ کھلنے کے باعث ایک دن پریشر ککر پھٹ گیا یعنی وہ پاگل ہو گیا۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی پریشر ککر کی علامت کے متعلق لکھتے ہیں:

''یہ معاشرہ جس میں ہم سب رہتے ہیں اور رہنے کے لیے مجبور ہیں واقعی ایک پریشر ککر ہے۔ آس پاس اور گرد و پیش میں جہنم کی سی آگ ہے۔ اس گرمی کی شدت سے افراد پگھل گئے ہیں اور اس سے باہر آنے کی بظاہر کوئی صورت نظر نہیں آتی۔''(۱۰)

پریشر ککر میں زندہ کرداروں کو ناقدین نے بھی محسوس کیا ہے لیکن نام لے کر کچھ نہیں لکھا۔ ڈاکٹر سید عبداللہ لکھتے ہیں:

''اس میں ہمارے اردگرد کے افراد کے چہرے صاف نظر آتے ہیں۔ ناموں کو تھوڑا سا بدل دیا جائے تو وہ اصل روپ میں ہمارے سامنے آجاتے ہیں''۔(۱۱)

صدیق سالک نے اس کردار کی نمایاں خصوصیات تفہیم سے بیان کی ہیں لیکن یہ ظاہر نہیں کیا

کہ یہ کسی مخصوص شخص کے متعلق ہیں۔ غلام رسول کو منظر عام پر نہ لانے کے پیچھے کئی عوامل کارفرما ہو سکتے ہیں۔ ممکن ہے کہ سالک شخص مذکور کی نجی زندگی کی تشہیر پسند نہ کرتے ہوں پھر فطرت کے نظریات غلام رسول کی پیشہ وارانہ زندگی کے لیے مناسب نہ ہوتے۔ ایک اہم وجہ یہ بھی ممکن ہے کہ سالک فطرت کو ''غلام رسول'' کی ذات تک محدود کرنے کے بجائے ہر سچے اور ایماندار شخص کی بےبسی کی علامت کے طور پر پیش کرنا چاہتے ہوں۔ غلام رسول اس ضمن میں صدیق سالک سے بدگمان نہیں نہ وہ اپنا نام منظر عام پر لانے کے لیے متجسس تھے، ان کے مطابق:

''میں نے کبھی اس موضوع پر ان سے بات نہیں کی۔ کیوں کہ کتاب کا ہر صفحہ میری زندگی کے واقعات سے بھرا پڑا تھا اور تمام جاننے والوں کو کنفرم تھا کہ میری زندگی کی کہانی ہے۔ پھر میں نے اپنی زندگی کو Creative آدمی کی زندگی سمجھا اور اس طرح ایک Symbol کے طور پر کتاب میں مرکزی کردار ادا کرنا زیادہ اچھا ہے۔'' (۱۲)

اس کے علاوہ ناول میں پنجاب یونیورسٹی کی شعبہ فنون لطیفہ کی سربراہ مسز شیخ کا کردار ہے۔ اس مماثلت کے بارے میں اسی شعبے کے پروفیسر ظفر اللہ کہتے ہیں:

''مسز نادرہ شیخ کے حقیقی کردار کا نام مسز اینا مولکا ہے جن کی اس ادارے کے لیے بڑی خدمات ہیں۔ وہ احمد شیخ سے شادی کے بعد مسز شیخ کہلائیں۔ وہ ۱۹۴۰ء سے ۱۹۷۲ء تک یونیورسٹی میں رہیں۔ وہ بھی ہاتھ میں walking stick رکھا کرتی تھیں لیکن بیان کردہ منفی رنگ ان میں نہیں تھا۔'' (۱۳)

پریشر ککر میں فن مصوری پر کی جانے والی گفتگو اور نظریات کے بارے میں عام ناقدین اور لوگوں کی رائے ہے کہ یہ سالک کی فن مصوری سے گہری واقفیت اور علمیت کا مظہر ہے مثلاً ڈاکٹر سلیم اختر کے بقول:

''شکاگو میں فطرت کی آرٹ کے بارے میں اپنے اساتذہ سے گفتگو کے حوالے سے لگتا ہے کہ اگر صدیق سالک عملی طور پر مصور نہیں ہیں تو کم از کم آرٹ کے سلسلے میں ان کا مطالعہ بہت وسیع ہے۔'' (۱۴)

لیکن پروفیسر ظفر اللہ کا خیال اس سے بہت مختلف ہے۔ وہ ناول میں فن مصوری پر کی گئی گفتگو اور مصنف کے نظریات سے شدید اختلاف کرتے ہیں، ان کے مطابق:

''فن مصوری پر مصنف کا Knowledge بہت Superficial ہے یونیورسٹی میں دیئے گئے لیکچرز Total wrong ہیں۔ یہ ہمارا المیہ ہے کہ فنون لطیفہ کے مختلف شعبے ایک دوسرے کے متعلق بہت کم علم رکھتے ہیں مصوروں کو ادب کی سمجھ نہیں اور ادیبوں کو مصوری کا پتہ نہیں یہی صورت ''پریشر ککر'' میں نظر آتی ہے۔''(۱۵)

غلام رسول نے خط میں واضح کیا ہے کہ سالک ان سے فن مصوری پر گفتگو کرتے تھے لیکن انھوں نے کبھی اس بارے میں کچھ لکھ کر نہیں دیا۔ اس لیے سالک نے اس زبانی گفتگو سے اخذ کردہ معلومات کے ذریعے یہ نظریات دیئے جو بہت مستند نہیں ہو سکتے۔ لیکن یہ امر بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ کوئی بھی شخص اپنے شعبے کے علاوہ کسی دوسرے شعبے کی پیشہ وارانہ گفتگو اور نظریات سو فیصد درست بیان نہیں کر سکتا۔

اس کے علاوہ سالک کا ایک انداز یہ ہے کہ وہ اکثر اپنی حقیقی زندگی کے واقعات کو افسانوی نثر کا حصہ بناتے ہیں، چاہے اس کا موقع محل مختلف ہو، مثلاً اپنی آپ بیتی ''سلیوٹ'' میں انھوں نے گاؤں میں پہلی بار سرکاری جیپ پر آنے کا واقعہ دل چسپ انداز میں لکھا ہے۔ اب تقریباً ایسا ہی واقعہ انھوں نے فطرت اور ریشماں کی گاؤں میں دوبارہ آمد کے موقع پر لکھا ہے، حالاں کہ فطرت کی وہ ذاتی یا سرکاری گاڑی نہیں تھی۔ ''سلیوٹ'' میں لکھتے ہیں:

''میں گاؤں پہنچا تو تہلکہ مچ گیا۔ تہلکہ کی ایک وجہ تو فوجی جیپ تھی جو غالباً دوسری جنگ عظیم کے بعد پہلی مرتبہ گاؤں کی کچی پگڈنڈیوں پر دیکھی گئی تھی''۔(۱۶)

پریشر ککر میں یہ واقعہ اس طرح بیان کیا ہے:

''ایک تو چک نمبر ۲۴۰ میں کسی کا رکا آنا ہی اچنبھے کی بات تھی کیوں کہ اب تک ایک دفعہ یہاں ایک ٹرک نعش لے کر آیا تھا اور دوسری دفعہ جیپ پر تفتیش کرنے والا تھانیدار ورنہ سڑک سے ادھر والی زمین موٹر گاڑیوں کے پہیوں سے قطعاً نامانوس تھی۔'' (۱۷)

''سیلوٹ'' میں تار پڑھنے کے متعلق لکھا ہے:

''اگر کبھی خط کے بجائے تار آجاتا تھا تو سارے گاؤں میں کہرام مچ جاتا تھا کہ پتہ نہیں کس گھر کا چراغ گل ہو گیا ہے۔ تار کو یقیناً بدشگونی کی علامت سمجھا جاتا تھا۔'' (۱۸)

پریشر ککر میں یہی جملہ فطرت کے گاؤں کے متعلق لکھا ہے:

''ان دنوں تار کا نام سن کر خواہ مخواہ دل دہل جاتا۔ صرف محاذوں پر کام آنے والے فوجیوں کے لواحقین کو تار آتے تھے اور تار کھولنے سے پہلے ہی متعلقہ گھرانے میں آہ و بکا شروع ہو جاتی تھی۔''(۱۹)

فطرت کی طرح سالک بھی بے حد غریب گھر میں پیدا ہوئے۔ فطرت کے والد کے متعلق لکھا ہے:

''فطرت ایک لائن مین کے گھر میں پیدا ہوا تھا جسے لوگ منہ پر چوہدری کرم دین اور پیٹھ پیچھے کرموں لائن مین کہتے تھے''۔(۲۰)

ایک انٹرویو میں اپنے والد کے متعلق کہتے ہیں:

'' کہنے کو والد صاحب کے پاس تھوڑی سی زمین تھی اور وہ چودھری بھی کہلاتے تھے مگر یہ بارانی زمین تھی اگر بروقت بارش ہو گئی تو سبحان اللہ ورنہ نوبت فاقہ کشی تک پہنچ جاتی تھی۔''(۲۱)

فطرت تین سال کی عمر میں یتیم ہوا، سالک بھی تین سال کی عمر میں والد کے سائے سے محروم

ہوئے۔ فطرت کو بھی یتیمی میں بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، سالک کو بھی انہی حالات کا سامنا تھا۔ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد فطرت کے گاؤں والے بھی اسے بڑا افسر بننے کی توقع کرتے ہیں، سالک کی حقیقی زندگی میں بھی ایسا ہی ہوا جب وہ ایم اے کر کے افسر کے بجائے لیکچرار مقرر ہوئے تو گاؤں کے لوگ بہت مایوس ہوئے۔ فطرت کو گاؤں کا سابق فوجی بابا فضل دین فوجی افسر بننے کا مشورہ دیتا ہے اور سالک کو ان کے گاؤں کا چاچا احمد خان متواتر فوجی افسر بننے کی ترغیب دیا کرتا تھا۔

فطرت کی شادی اس کی خالہ زاد زبیدہ سے ہوئی جو میٹرک فیل تھی۔ سالک کی شادی ان کی ماموں زاد سے ہوئی جو واجبی تعلیم یافتہ تھیں۔ فطرت ایم-اے کرنے کے بعد مختلف ملازمتیں کرتا ہے لیکن ذہنی طور پر مطمئن نہیں ہوتا۔ آخر ۲۹ سال کی عمر میں ''ادارہ شناخت پاکستان'' میں ملازمت کرتا ہے سالک نے بھی ایم اے کرنے کے بعد مختلف ملازمتیں کیں اور جب فوج میں آئے تو ان کی عمر ۲۹ برس تھی۔ ان مماثلتوں سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سالک نے غلام رسول اور اپنی زندگی کو ملا جلا کر پیش کیا ہے۔

ناول میں غلام رسول اور صدیق سالک کی سوانحی مماثلت کا تقابلی جائزہ لیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ غلام رسول کا کردار ظاہری طور پر نظر آتا ہے جب کہ فطرت کی ذہنی کیفیت خود صدیق سالک کی زندگی کے قریب معلوم ہوتی ہے جو نہ چاہتے ہوئے آمر سے وابستہ رہے اور بطور تقریر نویس اور پریس سیکرٹری ان کے خیالات کی ترجمانی بھی کی۔ اپنی شخصیت کے اس تضاد اور ثنویت سے اظہار کے لیے پریشر ککر کی علامت ان کی زندگی کے حسب حال ہے۔ اس بیان کے لیے غلام رسول کا کردار کیموفلاج کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لحاظ سے پریشر ککر سوانحی ناول کی تاریخ میں منفرد مقام رکھتا ہے۔

☆☆☆☆☆

حواشی وحوالہ جات

(۱) جمیل جالبی، ڈاکٹر، ''تاریخ ادب اُردو'' جلد چہارم، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۲۰۱۲ء، ص ۱۱۵۶

(۲) تمکین کاظمی، ''مرزا رسوا اور ان کی امراو جان ادا''، ''مشمولہ رُسوا، ایک مطالعہ'' مرتبہ ڈاکٹر میمونہ انصاری، لاہور، مکتبہ میری لائبریری، ۱۹۸۸، ص ۱۸۷۔

(۳) ممتاز مفتی، ''علی پور کا ایلی''، لاہور، الفیصل ناشران وتاجران کتب، ۲۰۰۵ء

(۴) ممتاز احمد خان، ڈاکٹر، ''آزادی کے بعد اردو ناول'' کراچی، انجمن ترقی اردو پاکستان ۱۹۹۷ء، ص ۱۸۹

(۵) خواجہ محمد زکریا، ڈاکٹر ''تاریخ ادبیات مسلمانان پاک وہند'' جلد پنجم، ۲۰۱۲ء، ص ۴۴۴

(۶) ممتاز مفتی ''الکھ نگری'' لاہور، الفیصل ناشران وتاجران کتب، ۲۰۰۸ء، ص ۷

(۷) غلام رسول کا راقمہ کے نام خط مورخہ ۲۸-۶-۲۰۰۵

(۸) الطاف حسین قریشی، ''صدیق سالک'' مشمولہ اردو ڈائجسٹ، نومبر ۱۹۸۸ء، ص ۳۹

(۹) صدیق سالک، ''پریشر ککر'' راولپنڈی، مکتبہ سرمد، ۱۹۸۳، ص ۳۰۰

(۱۰) عبادت بریلوی، ادبی مذاکرہ، مشمولہ روزنامہ ''جنگ'' ۱۴ دسمبر ۱۹۸۳ء

(۱۱) سید عبداللہ، ڈاکٹر، ادبی مذاکرہ، مشمولہ، روزنامہ ''جنگ'' ۱۴ دسمبر ۱۹۸۳ء

(۱۲) غلام رسول کا راقمہ کے نام خط مورخہ ۲۸-۶-۲۰۰۵ء

(۱۳) پروفیسر ظفر اللہ کی راقمہ سے گفتگو، ۲۸ نومبر ۲۰۰۵ء

(۱۴) سلیم اختر، ڈاکٹر، ادبی مذاکرہ مشمولہ روزنامہ جنگ، ۱۴ دسمبر ۱۹۸۳ء

(۱۵) پروفیسر ظفر اللہ کی راقمہ سے گفتگو

(۱۶) صدیق سالک، ''سیلوٹ''، راولپنڈی، مکتبہ سرمد، ۱۹۸۹ء، ص ۴۵

(۱۷) صدیق سالک، ''پریشر ککر''، ص ۱۲۲

(۱۸) صدیق سالک، ''سیلوٹ''، ص ۱

(۱۹) صدیق سالک، ''پریشر ککر'' ص ۱۳

(۲۰) صدیق سالک، ''پریشر ککر'' ص ۱۰

(۲۱) مقبول جلیس، انٹرویو مشمولہ ''سیلف میڈ لوگ'' کراچی، فضلی سنز، ۱۹۹۲ء، ص ۱۹

❁❁❁